AL-NOOR
P ISSN: 3005-8252
O ISSN: 3005-8260
VOL: 03 NO: 01 2024

# تفقہ، فقہ اور اجتہاد : چند نئے پہلو کاایک جائزہ [1]

# Fiqh, Jurisprudence and Ijtihad: A Review of New Aspects

[1] ڈاکٹرمحمد یوسف فاروقی(سابق پروفیسر، شریعہ اینڈ لاء، فیکلٹی آف شریعہ اینڈ لاء، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی ، اسلام آباد)

## Abstract:

The researcher has discussed the jurisprudence as well as the significance of Ijtihad, a method of the interpretation of jurisprudence in Islam. Islamic jurisprudence is not the name of an activity that merely involves memorizing a few technical terms, but it includes the comprehensive knowledge and understanding of Islam, which is acquired by the visionary and practicing Muslim Scholars. The crux of the discussion is that Allah Almighty has blessed humanity with a number of talents and He wants us to utilize our energies for positive activities to find the solution to the problems and challenges this universe creates for him. The scholars of Islam have utilized the jurisprudence as well as Ijtihad in all eras to resolve the emerging social issues. There are certain an interpreter or a mujtahid has to possess viz the complete knowledge and command of the both general and specific areas of Knowledge. The researcher has analyzed the need for Ijtihad in certain matters and given the example of Jihad for which Ijtihad is necessary. To strengthen his point, the researcher has presented the views of various Muslim Scholars. The researcher has highlighted the need of gaining power for constructive activities. The researcher has underlined the point that ignoring the revolutionary power of electronic and digital media for mass communication has undermined the processed of Islamic preaching, and those Muslim Clerics who could not understand the significance of technology are responsible for this situation. Muslims must utilize the power of the internet to defy the powers of evil who are utilizing technology for spreading their devilish thoughts. The scholars of Islam must understand that the situation is dire and they must utilize the power of technology in the light of Muslim Jurisprudence and Ijtihad for finding solutions to the problems both Muslim world and the humanity face

Keyword: **Fiqh, Islamic Jurisprudence, Ijtihad, Knowledge.**

## فقہ کا مفہوم

اجتہاد علم فقہ کا ایک اہم اصول ہے۔ اس کے مفہوم میں اسی طرح وسعت پائی جاتی ہے جس طرح خود فقہ کے مفہوم میں موجود ہے۔ علم فقہ صرف کچھ مسائل و احکام کو یاد کر لینے کا نام نہیں ہے بلکہ دین کے اس مجموعی فہم کا نام ہے جو علم اور عمل کے ذریعہ اہل عقل و بصیرت کو حاصل ہوتا ہے۔ ہم نے یہاں عمل کی شرط اس لیے لگائی ہے کہ اسلام محض فکر و نظریہ کا نام نہیں یہ تو سراپا عمل کا نام ہے۔ وہ عمل جس کی وجہ سے دین کی صداقت و حقانیت پر یقین بھی پیدا ہوتا ہے اور دین پر عمل کرنے کی وجہ سے بندہ مومن کے اندر خود اعتمادی بھی پیدا ہوتی ہے۔ فقہ کا یہ مفہوم قرآن حکیم کی مندرجہ ذیل آیات سے ماخوذ ہے: ﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ﴾[التوبة ۹: ۱۲۲](کیوں نہ ایسا ہو کہ ہر گروہ میں سے کچھ لوگ (حصول علم کے لیے) نکلیں تاکہ وہ دین کا فہم و بصیرت حاصل کریں، اور پھر جب اپنے لوگوں میں واپس آئیں تو انہیں متنبہ کریں تاکہ وہ لوگ بھی احتیاط کریں)۔

سورہ انعام میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور کائنات میں اپنی تخلیق کے ان مظاہر کا تذکرہ کیا ہے جن کا انسان نہ صرف مشاہدہ کرتا ہے بلکہ ان سے فائدہ بھی اٹھاتا ہے۔ قرآن حکیم ان مظاہر فطرت میں غور و فکر کی دعوت دیتا ہے: ﴿انْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الآيَاتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُونَ﴾ [الانعام۶: ۶۵] (غور کیجیے کہ ہم کس طرح اپنی نشانیوں کو پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں، تاکہ وہ سمجھ لیں)۔[i]

اسی سورہ میں آگے مزید مظاہر فطرت کو بیان کیا گیا ہے، اور دو باتوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے ایک علم اور دوسرے فہم و ادراک: ﴿قَدْ فَصَّلْنَا الآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ﴾[الانعام۶: ۹۷](ہم نے اپنی آیات اہل علم کے لیے کھول کھول کر بیان کر دی ہیں)، اور﴿قَدْ فَصَّلْنَا الآيَاتِ لِقَوْمٍ يَفْقَهُونَ﴾[الانعام۶: ۹۸] (ہم نے اپنی آیات ان لوگوں کے لیے تفصیل سے بیان کر دی ہیں جو سوجھ بوجھ رکھتے ہیں)۔

ان آیات مبارکہ کے سیاق و سباق کو دیکھیے۔ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف آفاق و انفس میں اپنی بکھری ہوئی آیات اور تخلیق کے مظاہر کو جاننے، سمجھنے اور ان سے فائدہ اٹھانے کے لیے انسان کو متوجہ کیا ہے بلکہ اس مادی دنیا کے بعد کے احوال سے بھی آگاہ کیا ہے، اور موت کے بعد کی زندگی کے بارے میں بھی یاد دہانی کرائی ہے، غور و فکر کے بہت سے زاویے اور نئے نئے دریچے کھولے ہیں کہ ان پر غور و فکر سے علوم و فنون کے نئے نئے

دروا زےہوتے ہیں، یہ وہ علوم و فنون ہیں جو خلافتِ ارضی کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ضروری ہیں۔ دین حنیف کے اسی فہم ادراک کو تفقہ فی الدین سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

## علم وحکمت کے ساتھ فقہ کا تعلق

فقہ کا علم و حکمت کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ علم خواہ اس کا ماخذ وحی الہی ہو، یا انسانی حواس ہوں، دونوں ہی ضروری ہیں۔ تفقہ اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب دونوں قسم کے علوم میں مہارت پیدا ہوتی ہے۔ علوم الوحی کے فہم و ادراک کے لیے قلب کے تزکیہ اور عقل کی تعلیم و تربیت کی ضرورت ہوتی ہے اور علوم

الحواس سے استفادہ کے لیے گہرے غور و فکر اور عقل و فہم کا بہتر استعمال لازمی ہے۔

انسان کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ انسان اپنی ان صلاحیتوں سے بھرپور فائدہ اٹھائے۔ انسان اپنی خداداد صلاحیتوں کو جس قدر استعمال کرتا ہے یہ صلاحیتیں اسی قدر توانا ہوتی ہیں۔ علم فقہ کا جس طرح علم و حکمت سے تعلق اور رابطہ ہے اسی طرح اس کا مضبوط تعلق تعقل، تفکر اور تذکُّر وغیرہ سے بھی ہے، مثلاً سورۂ بقرہ کی اس آیت کا بغور مطالعہ کیجیے:﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ وَاخْتِلافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالأَرْضِ لآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ﴾[البقرۃ۲: ۱۶۴] (یقیناً زمین و آسمان کی تخلیق، اور لیل و نہار کی تبدیلی میں، اور ان کشتیوں میں جو سمندروں میں تمہارا نفع بخش مال و متاع لیے پھرتی ہیں، اور ان پانیوں میں جو اللہ تعالیٰ نازل فرماتے ہیں کہ جس کی وجہ سے مردہ زمینوں کو زندگی مل جاتی ہے، اور ہر قسم کے ان جانوروں میں جو اللہ تعالیٰ نے زمین میں پھیلا دیے ہیں، اور ان ہواؤں کے چلنے میں جو فضا میں مسخر بادلوں کو لیے پھرتے ہیں، ان سب میں اہل عقل و دانش کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں)۔

اس آیت مبارکہ میں غور کیجیے، اللہ تعالیٰ نے اپنی تخلیق اور مظاہر فطرت میں غور و فکر کی دعوت دی ہے، عقل و دانش کو بروئے کار لاکر نہ صرف یہ کہ توحید کے دلائل اور خالق کائنات کی قدرت کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے بلکہ اس وسیع کائنات میں ہر طرف پھیلی ہوئی اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے انتفاع کی صورتیں بھی دریافت کیا جا سکتی ہیں، اس لیے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے انسانی مصلحتوں اور ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے پیدا کیا ہے۔ ﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الأَرْضِ جَمِيعًا﴾[البقرہ۲: ۲۹](یہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تمہارے فائدہ کے لیے پیدا کیا وہ سب کچھ جو زمین میں ہے)۔

قرآن حکیم میں اس مضمون کی وضاحت کے لیے اور بھی بہت سی آیات ہیں، جو ہمیں عقل و فہم اور استدلال و استنباط کی دعوت دیتی ہیں، مثلاً سورہ الرعد کی چند ابتدائی آیات کا مطالعہ کیجیے، ان میں آسمانوں کی بلندی، عرش الٰہی پر ذات باری تعالیٰ کا استویٰ، تسخیر شمس و قمر اور ان کی اپنے مدار میں وقت مقررہ تک گردش، کائنات کے نظم میں اللہ تعالیٰ کی تدبیر کہ جن میں غور و فکر سے اہل ایمان میں آخرت کا یقین پیدا ہوجاتا ہے۔ یہ زمین کا پھیلاؤ اس پر بلند و بالا پہاڑوں کا سلسلہ، سمندر و دریا، ہرقسم کے پھلوں کے جوڑے اور گردش لیل و نہار، ان میں تفکر (غور و فکر) کرنے والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔ اور زمین کے قطعات جو ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے ہیں، اور یہ انگور و کھجور کے باغات، اور کھیتیاں، ایک تنے والے درخت، اور متعدد شاخوں والے گھنے درخت جو ایک ہی قسم کی زمین میں ایک ہی پانی سے سیراب کیے جاتے ہیں، مگر ہر پھل کا ذائقہ مختلف ہوتا ہے، (یہی تو غور و فکر کا مقام ہے) ان میں اہل عقل کے لیے بےشمار نشانیاں ہیں" [الرعد ۱۳: ۲- 4]

سورہ النحل میں اللہ تعالیٰ نے مظاہر تخلیق کی طرف توجہ دلائی ہے، اور بالترتیب تفکر کرنے والوں، عقل و فہم سے کام لینے والوں اور نصیحت حاصل کرنے والوں (تذکر) کے لیے اپنی آیات و قدرت کی طرف توجہ دلائی ہے۔ [النحل۱٦: ۱۰- ۱۳] یہی اسلوب سورہ جاثیہ میں اور قرآن کریم میں متعدد جگہوں پر ملتا ہے۔

انسانی شعور کی بلندی، ذہانت کی مضبوطی اور فکر و بصیرت کی وسعت و گہرائی کا دار ومدار اسی انداز تعلیم و تربیت پر ہے، اسی کے نتیجہ میں اہل ایمان میں تفقہ پیدا ہوتا ہے، وہ تفقہ جو آفاق و انفس میں پیدا ہونے والے تغیرات کو سمجھتا ہے اور نئے پیدا ہونے والے مسائل کو حل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ لیکن علم فقہ کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے یہ اصول ذہن میں رکھنا چاہیے کہ فقیہ پہلے اپنے دماغ کو علمِ وحی سے منور کرتا ہے پھر اس کی روشنی میں حِسّی علوم کا جائزہ لیتا ہے۔ تفقہ تک پہنچنے کے لیے تفکر کے مرحلہ سے گزرنا پڑتا ہے تاکہ زیر غور مسئلہ کے مختلف پہلو اجاگر ہوجائیں۔ پھر تعقل کا مرحلہ آتا ہے تاکہ مجتہد مسئلہ کے ہر ہر پہلو کو عقل کی کسوٹی پر بھی پرکھ لے، پھر اس پہلو کا انتخاب کرے جو اس کی رائے میں دین کی روح کے مطابق ہو۔ پھر جب عقل سلیم کی رہنمائی حاصل ہوتی ہے تو تذکر کا مرحلہ آتا ہے اور صاحب علم کے سامنے نصیحت و ہدایت کی بہت سی صورتیں واضح ہوجاتی ہیں، پھر فقیہ ان نصیحت آموز اسباق میں سے بہتر نصیحت کا انتخاب کرتا ہے یہی وہ صورت ہے جو تفقہ فی الدین کہلاتی ہے۔

فقہ کو خیر اور حکمت سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ رسول اللہ□ کی حدیث ہے، آپ□ نے فرمایا: من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين[ii](اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اسے دین کا فہم عطا فرما دیتے ہیں)۔

اس میں حکمت کا عنصر شامل ہوجائے تو یہ خیر کثیر کی صورت اختیار کر لیتا ہے: ﴿وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا﴾[البقرہ۲: 269] (جسے اللہ تعالیٰ حکمت سے نواز دیتے ہیں تو وہ تو حقیقت میں خیر کثیر کا مالک ہوتا ہے)۔

قرآن حکیم و سنت نبوی کی تعلیمات کو ملحوظ رکھتے ہوئے تفتازانی نے فقہ کی تعریف یہ کی ہے: الفقه حكمة شرعيه (فقہ نام ہے حکمتِ شرعیہ کا)[iii]

امام بخاریؒ نے صحیح بخاری کی کتاب العلم میں عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت نقل کی ہے جس میں رسول اللہ□ نے دو چیزوں میں رشک کرنے کی اجازت دی ہے، ایک اس مال دار پر رشک کیا جاسکتا ہے جو اپنے مال و متاع کو کھل کر راہ حق میں خرچ کرے، دوسرے وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے علم و حکمت سے نوازا اور وہ اس کے مطابق فیصلے بھی کرتا ہے اور ان کی تعلیم بھی دیتا ہے۔[iv]

زید بن ثابتؓ سے منقول ایک روایت میں رسول اللہ□ نے علم فقہ سے ربط و تعلق رکھنے والوں کا بہت لطیف پیرایہ میں ذکر فرمایا ہے۔ آپ□ نے دو طبقوں کا ذکر کیا ہے، ایک حامل فقہ اور دوسرا فقیہ۔[v]حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے لیے رسول اللہ□ نے دعا فرمائی:اللهم علمه الحكمة[vi](اے اللہ انہیں علمِ حکمت عطا فرما) اس دعا کا نتیجہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں دین کا فہم اور تفقہ عطا فرمایا، اور دور رسالت و صحابہ میں افتاء اور تعلیم قرآن و سنت کا فریضہ انجام دیتے رہے۔

# فقہ کی وضاحت کے لئے نبوی تمثیل

فقہ کے اس مفہوم کی رسول اللہ ﷺ نے ایک خوب صورت تمثیل کے ذریعہ وضاحت فرمائی ہے۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں: ان مثل ما بعثنی اللہ عزو جل به من الهدی والعلم كمثل غيث اصاب ارضا، فكانت منها طائفة طيبة قبلت الماء فانبتت الكلاء والعشب الكثير، وكان منها اجادب امسكت الماء، فنفع الله بها الناس فشربوا منها وسقوا وزرعوا، وأصاب منها طائفة اخرى انما هی قيعان، لا تمسك ماء ولا تنبت كلاء، فذالك مثل من فقه في دين الله ونفعه ما بعثنی الله به فعلم وعلم، ومثل من لم يرفع بذالك راسا ولم يقبل هدی الله الذی أرسلت به[vii](اللہ تعالیٰ نے مجھے جو علم و ہدایت دے کر بھیجا ہے اس کی مثال اس بارش کی طرح ہے جو زرخیز زمین پر برستی ہے تو وہ زمین پانی کو اپنے اندر جذب کر لیتی ہے اور پھر اس سرزمین میں خوب سبزہ لہلہاتا ہے، کثرت سے پودے اگتے ہیں، دوسرا خطہ ایسا ہوتا ہے جو پانی تو جذب نہیں کرتا لیکن پانی کو روک کر جمع کر لینے کی صلاحیت رکھتا ہے، اس پانی کے ذخیرہ سے اللہ تعالیٰ لوگوں کو فائدہ پہنچاتے ہیں، انسان بھی پانی پیتے ہیں، اپنے جانوروں کو بھی سیراب کرتے ہیں، اور اپنی زمینوں کی آبپاشی کا کام بھی لیتے ہیں، ایک اور خطہ زمین کا ایسا بھی ہوتا ہے جو پتھریلا ہوتا ہے، نہ جذب کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے نہ ہی پانی کو روک کر ذخیرہ کرسکتا ہے، نہ ہی یہاں کچھ اگ سکتا ہے۔ یہ مثال ہے اس شخص کی جسے اللہ تعالیٰ نے دین کا فہم عطا فرمایا، اللہ تعالیٰ نے اس علم سے جو اس نے مجھے دے کر مبعوث کیا ہے خود بھی فائدہ اٹھایا اور دوسروں کو بھی تعلیم کے ذریعہ فائدہ پہنچایا، اور اس شخص کی مثال جس نے میری دعوت پر کان نہ دھرے اور اللہ تعالیٰ نے جس رشد و ہدایت کے ساتھ مجھے دنیا میں بھیجا ہے اسے قبول نہیں کیا۔

اس تمثیل میں پہلی مثال فقیہ کی ہے جو علوم وحی و نبوت کو اپنے اندر جذب کر لیتا ہے، پھر اس کے قلب و دماغ سے علوم و فنون کے چشمے پھوٹنے لگتے ہیں، اس میں یہ صلاحیت پیدا ہوجاتی ہے کہ وہ ہر قسم کے حالات میں نصوص سے استدلال و استنباط کرسکے۔ نئے نئے علوم و فنون کو دریافت کرسکے۔ یہ سب کچھ فقیہ کے لیے اس وقت ممکن ہوتا ہے جب وہ تزکیہ نفس اور تطہیر قلب کے عمل سے گزر کر اپنے اندر علم نافع کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا کر لیتا ہے اور راسخین فی العلم میں شامل ہوجاتا ہے۔ تزکیہ و تطہیر قلب کے بارے میں امام ابن قیمؒ لکھتے ہیں: وصحة الفهم نورٌ يقذفه الله في قلب العبد يميز به بين الصحيح والفاسد، والحق والباطل، والهدى والضلال، والغي والرشاد[viii](صحتِ فہم دراصل وہ نور ہے جو اللہ تعالیٰ قلب مومن میں القاء فرماتے ہیں۔ اس روشنی کی وجہ سے بندہ مومن صحیح اور فاسد، حق و باطل، ہدایت و گمراہی اور ظلم و عدل میں تمیز کرتا ہے)۔

یہ وہی نور قلبی ہے جسے قرآن حکیم نے اس طرح بیان کیا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيَجْعَلْ لَكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾[الحدید ۵۷: ۲۸](اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو اور اللہ کے رسول پر ایمان لاؤ، اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی رحمت سے دگنا حصہ عطا فرمائے گا اور تمہارے قلوب میں ایسا نور پیدا کر دے گا کہ تم اس کی روشنی میں چلو پھرو گے، تمہارے گناہوں کو معاف فرمائے گا، اللہ تعالیٰ تو بہت مغفرت کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے)۔

تفقہ فی الدین کے اس مفہوم کو ذہن میں رکھتے ہوئے امام ابوحنیفہؒ نے فقہ کی بہت جامع تعریف کی۔ ان کے نزدیک فقہ کا مفہوم یہ ہے:معرفۃ النفس ما لھا وما علیھا[ix](یعنی انسان کو اپنی ذات کی معرفت حاصل ہوجائے اور وہ ان تمام چیزوں کو بھی سمجھ لے جو انسان کے لیے نفع مند ہیں اور انہیں بھی سمجھ لے جو انسان کے لیے نقصان دہ ہیں)۔ ما لھا وما علیھا(مفید اور ضرر رساں) کا علم بہت وسیع ہے۔ اس میں ایمانیات و معاملات و علوم عقلیہ و نقلیہ سب داخل ہیں۔ یہ علم ہمیں وحی الٰہی کے ذریعہ بھی حاصل ہوتا ہے، جو علم قطعی کا درجہ رکھتا ہے، اور عقل و حواس کے ذریعہ بھی حاصل ہوتا ہے جو علم ظنی کا درجہ رکھتا ہے۔ دونوں ذرائع علم انسان کے لیے ضروری ہیں۔ تزکیہ نفس کے عمل سے گزر کر فقیہ دونوں قسم کے علوم کا جامع ہوتا ہے۔ پھر فقہاء کرام کی ذات میں علوم وحی اور علوم عقلیہ کے حسین امتزاج سے علم فقہ وجود میں آتا ہے۔ اسی کی طرف امام سیوطیؒ نے اشارہ فرمایا ہے:الفقہ معقول عن منقول[x](فقہ علوم نقلیہ کے فہم و ادراک کا نام ہے)۔

علم فقہ کو ایک اور زاویہ سے بھی سمجھا جا سکتا ہے، وہ یہ کہ رسول اللہ کی سنت کی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ سنت آپ کے قول و فعل اور تقریر (رسول اللہ کے سامنے جو عمل کیا گیا آپ اس پر نکیر نہیں فرمائی) کا نام ہے۔ رسول اللہ کے قول و فعل اور تقریر کو جب اہل علم قاعدے اور ضابطہ کی صورت دیتے ہیں تو وہ علم فقہ کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

ہماری مندرجہ بالا بحث سے علم فقہ کی وسعت و جامعیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اجتہاد علم فقہ کا ہی ایک اہم شعبہ ہے جس طرح علم فقہ میں وسعت و گہرائی ہے اسی طرح اجتہاد کا دائرہ بھی بہت وسیع ہے، اور یہ ایک ایسا جامع اصول ہے جو ہر دور اور ہر زمانہ میں پیدا ہونے والے مسائل کو حل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

## اجتہاد کا مفہوم: آغاز و ارتقا

سورہ العنکبوت جس کا آغاز ہی اس بات سے ہوتا ہے کہ انسان کو دنیا میں بہت سی آزمائشوں اور امتحانات سے اسی طرح گزرنا ہے جس طرح ان سے پہلی اقوام گزری ہیں۔ اس سورہ میں فکری مباحث بھی ہیں اور عملی احکام بھی، تشریع کا ذکر بھی ہے اور تکوینی امور کا بھی، اللہ تعالیٰ نے اپنی وسیع و عریض سرزمین میں سیاحت کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے تاکہ انسان اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کی بکھری ہوئی آیات کا مشاہدہ کرے، گزری ہوئی اور موجودہ اقوام کے حالات کا جائزہ لے، اور ان کے حالات سے آگاہی حاصل کرکے کسی نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کرے۔ اس بات پر بھی غور کرنے کی دعوت دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تخلیق کا آغاز کیسے کیا۔ بندہ مومن کو اس کائنات کی وسعتوں اور اس میں کارفرما خالق حقیقی کی آیات کا مشاہدہ کرتے رہنا چاہیے۔ اسے چاہیے کہ خالقِ کائنات کی حکمتوں کو سمجھنے کی کوشش کرے۔ تباہ شدہ اقوام کے حالات سے عبرت حاصل کرے۔ دنیوی زندگی کی حقیقت کو جانے اور انبیاء علیہم السلام کے مشن اور پیغام کی صداقت کو سمجھے۔ ان مضامین کو ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس سورہ کا اختتام اس آیت پر فرمایا ہے: ﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ﴾ [العنکبوت ۲۹: ٦۹](جو لوگ ہم تک پہنچنے کی جدوجہد کرتے ہیں، ہم

یقیناً انہیں اپنے تک رسائی کے راستوں کی رہنمائی کرتے ہیں، اور یقیناً اللہ تعالیٰ محسنین کے ساتھ ہوتا ہے)۔

انسان کی تمام تر سعی اور جدوجہد کا فائدہ انسان ہی کو ہوتا ہے۔ انسانی جدوجہد اور فکر ونظر کا مقصد یہ ہے کہ لوگ اپنی عملی زندگی کے لیے بہتر عمل (أحسن) کا انتخاب کرسکیں،(﴿أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا﴾ [الملک 67: ۲]

﴿وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ﴾ [العنکبوت ۲۹: ٦](جو شخص بھی محنت و جدوجہد کرتا ہے وہ اپنے ہی فائدے کے لیے کرتا ہے)۔[xi]

تینوں قسم کی جدوجہد (فکری و نظری، جسمانی اور روحانی) کے نظائر رسول اللہ کے اسوۂ حسنہ میں ملتے ہیں، جنہیں آپ نے تعلیم و تربیت کے ذریعہ اپنے صحابہ کرام میں اجاگر فرمایا۔ قرآن کریم نے بار بار تخلیق کائنات کا تذکرہ کیا ہے، اور انسانوں کو کائنات کی وسعتوں میں غور وفکر کی دعوت دی ہے، تاریخ کے دھندلکوں میں جھانکنے کی ترغیب دی ہے، انسان کی اپنی ذات بھی ایک وسیع کائنات ہے اس میں بھی غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے، سورہ آل عمران میں تو اللہ تعالیٰ نے اپنی یاد اور اپنے ذکر کے بعد تخلیق کائنات میں غور و فکر کی دعوت دی ہے:

﴿الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَى جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ [آل عمران۳: ۱۹۱]

(جو لوگ حالت قیام میں ، بیٹھنے کی صورت میں، اور پہلو پر لیٹے ہوئے (ہر حالت میں) اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں، اور زمین و آسمان کی تخلیق میں غور و فکر کرتے ہیں (وہ اس نتیجہ پر پہنچ کر پکار اٹھتے ہیں) کہ اے ہمارے رب تو نے یہ سب کچھ لا یعنی پیدا نہیں کیا، اے اللہ تو پاک ہے، تو ہمیں جہنم کی آگ سے محفوظ رکھ )۔

اس آیت مبارکہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ذکر الٰہی اور آفاق و انفس میں غور و فکر سے تفقہ فی الدین حاصل ہوتا ہے۔

اجتہاد کے موضوع پر گفتگو سے قبل ایک اور نکتہ کی وضاحت کرنا مناسب ہوگا، جیسا کہ ہم نے اپنی بحث میں اوپر ذکر کیا ہے کہ اجتہاد کا علم اور عقل و فہم کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ علم میں مطلوب وہ علم ہے جو انسان کے لیے نافع اور مفید ہو، پھر اس علمِ نافع میں بھی راسخ ہونا مطلوب ہے، یعنی حاصل شدہ علم میں گہرائی بھی ہو اور وسعت بھی ہو۔

## علم کی تقسیم

ہمارے معاشرہ میں اہل علم نے علم کی دو قسمیں بیان کی ہیں، ایک مذہبی علم اور دوسرے غیر مذہبی علم۔ ہماری رائے میں یہ تقسیم غیر مسلم اقوام میں تو درست معلوم ہوتی ہے، اس لیے کہ ان کے پاس وحی الٰہی پر مبنی مذہبی تعلیمات محفوظ نہیں، مذہب ان کے نزدیک کچھ موہوم روایات اور توہمات کا نام ہے جنہیں علم و عقل تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں، لہٰذا اس اعتراض سے بچنے کے لیے انہوں نے مذہب کو زندگی کے تمام شعبوں سے الگ کرلیا۔

مسلم معاشرہ میں یہ تقسیم ممکن نہیں، اس لیے کہ دین اسلام وہ جامع نظام زندگی ہے جو ہر شعبہ زندگی کے لیے رہنمائی مہیا کرتا ہے۔ قرآن حکیم جس شکل میں رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا تھا بالکل اسی صورت میں محفوظ ہے، ساتھ ہی صاحب قرآن علیہ الصلاۃ والسلام کی حیات طیبہ اور آپ کی سنت مطہرہ بھی محفوظ ہے۔

وحی الٰہی انسانی عقل و فکر کی تربیت کرکے انسانی ذہانت و فراست کو بہتر طریقہ پر استعمال کرنے کی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔ نیز یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ علم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان عالم جس شعبہ علم میں کام کرتا ہے وہ اپنے علم کو علیم و خبیر کی ذات کے ساتھ مربوط رکھ کر کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ساری کائنات کا خالق ہے، یہ تمام ارض و سماء، سمندر و دریا، پہاڑ و معدنیات، شمس و قمر، کہکشائیں اور ارض و سما میں پھیلی ہوئی قوتیں اور تمام اشیا اللہ تعالیٰ ہی کی پیدا کردہ ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی حقیقت کو اچھی طرح جانتا ہے، لہٰذا مومن عالِم جب ان سے متعلق علوم میں مہارت حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ ان کے خالق، ان کے مدبر و حکیم کی ذات کے ساتھ مربوط رکھ کر ہی آگے بڑھتا ہے، نہ صرف یہ کہ ان اشیا کی حقیقت کو جاننے اور سمجھنے کی کوشش کرتا ہے بلکہ ان فوائد و منافع کو بھی تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں انسانوں کے لیے رکھ دیے ہیں۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے: ﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الأَرْضِ جَمِيعًا﴾[البقرۃ۲: ۲۹](یہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تمہارے فائدے کے لیے وہ سب کچھ پیدا کیا جو زمین کے اندر ہے)۔

﴿أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الأَرْضِ وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً﴾ [لقمان۳۱: ۲۰] (کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے مسخر کر دیا جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کردیں)۔

اس کائنات میں پھیلی ہوئی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو تلاش کرنا، یا اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ اشیا میں پوشیدہ منافع اور فوائد کو تلاش کرنا انسان کا کام ہے، لیکن یہ کام محنت طلب ہے۔ انسان کو اپنی تمام علمی و فکری صلاحیتیں صرف کرنا پڑتی ہیں، علم کے جس شعبہ میں بھی تحقیق و جستجو کی جائے گی وہ دین متین کے دائرہ سے باہر نہیں ہوگی۔ لہٰذا اسلام میں کوئی علم بھی لامذہبی (Secular) نہیں ہوتا بلکہ ہر شعبۂ علم میں تحقیق و جستجو کی کونپلیں دین کی اصولی تعلیمات سے پھوٹتی ہیں۔

فقہا نے اجتہاد کے لغوی مفہوم کو اصطلاحی مفہوم میں سمو دیا ہے۔ چنانچہ اجتہاد کی جتنی بھی تعریفیں بیان کی گئی ہیں ان میں بذل الوسع، بذل المجهود، استفراغ الوسع، استفراغ الجهد، بذل غاية الوسع وغیرہ جملے سب میں مشترک ہیں، (یعنی مقدور بھر کوشش کرنا، اپنی تمام تر صلاحیتوں کو صرف کر دینا، اس قدر محنت کرنا کہ اس سے زیادہ انسان کے بس میں نہ ہو، وغیرہ)۔[xii]

یہ بھر پور جدوجہد اور فکری و علمی صلاحیتوں کا حتی المقدور استعمال ہر شعبہ زندگی میں مطلوب ہے۔ اس لیے کہ ہر شعبہ زندگی میں خدمت خلق اور

انسانی فلاح و بہبود کے پہلو موجود ہیں، انہیں دریافت کرنا اور پھر انہیں انسانیت کے بہتر مفاد میں استعمال کرنا شرعاً مطلوب ہے۔[xiii]اس مقصد کے لیے جب بھی متخصصین اور اہل اجتہاد کی جانب سے بذل المجہود اور بذل غایۃ الوسع پایا جائے گا ان کا عمل اجتہاد کے دائرہ میں شمار ہوگا اور وہ اس جدوجہد کے لیے عند اللہ ماجور ہوں گے۔

عام طور پر فقہا اس وقت اجتہاد کرتے ہیں جب کوئی مسئلہ معاشرہ میں وقوع پذیر ہوتا ہے، وہ قرآن و سنت کی روشنی میں اس کا حل دریافت کرتے ہیں، البتہ فقہاے احناف کے ہاں یہ روایت رہی ہے کہ وہ وقوع سے قبل مسائل کو تصور کرکے ان کے بارے میں راے پیش کرتے ہیں۔ احناف کا طریق کار اس صورت میں زیادہ مفید ثابت ہوسکتا ہے جب ہم اپنے تحفظ و دفاع، معیشت و تجارت، صنعت و حرفت وغیرہ کے لیے پہلے سے منصوبہ بندی کرتے ہیں اور مستقبل میں پیش آنے والے مسائل و تحدیات کا جائزہ لے کر ان کا حل پہلے ہی پیش کرتے ہیں تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی تمام صلاحیتیں صرف کرکے بہتر سے بہتر منصوبہ بندی کریں۔ یقینی بات ہے کہ یہ کام وہی لوگ کرسکتے ہیں جو متعلقہ علوم میں مہارت رکھتے ہوں اور اجتہادی بصیرت کے حامل ہوں۔

## اجتہاد اور مقاصد شریعہ

موجودہ حالات میں اس بات کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ اجتہاد کے عمل کو مقاصد الشریعہ کے دائرہ میں رہتے ہوئے آگے بڑھایا جائے، اس صورت میں اہل فکر و اجتہاد کو مستقبل بینی سے کام لینا ہوگا، دنیا بھر کے علمی و سیاسی حالات پر نظر رکھنا ہوگی، یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ مستقبل میں کس قسم کی مشکلات پیش آسکتی ہیں، کس قسم کے تہدید آمیز مسائل کا سامنا کرنا پڑے گا اور پھر ان سے نمٹنے کے لیے ہمارے پاس کیا حل موجود ہے۔[xiv]

مقاصد الشریعہ میں دین کا تحفظ، فرد و معاشرہ کی جان و مال کا تحفظ، انسانی ذہنی و فکری صلاحیت کا تحفظ، نسل اور عزت و آبرو کا تحفظ شامل ہیں۔ ان تحفظات کا دائرہ بہت وسیع ہے، اجتہادی عمل میں اس وسعت کو ملحوظ رکھنا بہت ضروری ہے۔

قرآن حکیم نے امتِ مسلمہ کے دین اور جان و مال کے تحفظ کے لیے جہاد کا حکم دیا ہے، لیکن جہاد کی مکمل تیاری کے بغیر جہاد کی اجازت نہیں دی گئی۔ جہاد کی تیاری کے سلسلے میں قرآن حکیم ہماری کیسے رہنمائی کرتا ہے اس کے بارے میں ہم آگے چل کر اس مقالے میں بحث کریں گے۔

اسی طرح گزشتہ دو تین دہائیوں میں برقی ذرائع ابلاغ نے بڑے پیمانے پر انقلاب برپا کیا ہے۔ یہ تمام ذرائع ابلاغ اغیار ہی کے قبضہ میں ہیں، انہی کی ایجاد ہیں۔ آج یہ وسائل ابلاغ دین حنیف کو مسخ کرنے کے لیے استعمال کیے جارہے ہیں۔ ہماری نئی نسل کی ایمانی و اخلاقی اقدار کو پامال کیا جا رہا ہے۔ نیٹ کی سہولت اور اس کے جائز و ناجائز استعمال کی سہولت نے بہت سے خطرات پیدا کر دیے ہیں۔

دعوت و ابلاغ تو امتِ مسلمہ کا فریضہ ہے۔ ابلاغ اور دعوۃِ حق کے لیے جدید ترین اور مؤثر ترین وسائل اور ذرائع کو پیدا کرنا مسلم امہ کے اہل علم و فکر

کا فرض ہے، لیکن اس شعبہ کو ترک کرنے کا نقصان یہ ہوا کہ جن لوگوں نے نئے وسائل ابلاغ کو ایجاد کیا انہوں نے امت مسلمہ کے خلاف استعمال کرنا شروع کردیا، ساتھ ہی ہر قسم کی فحاشی کی اشاعت کا ذریعہ بھی بنادیا۔ ہمارے اہل علم نے اس شعبہ میں اجتہادی بصیرت کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ نو عمر نسل کے لیے بےراہ روی کی تمام سہولتوں کو شاید بادل ناخواستہ گوارا کیا جا رہا ہے۔ کم از کم ہم یہ تو کرسکتے تھے کہ ان وسائل پر مکمل کنٹرول حاصل کرکے ان ذرائع کو منکر کی اشاعت سے روک کر معروف کی طرف موڑ دیتے، نہ صرف یہ کہ ہم اپنی نسلوں کے دین و اخلاق کی حفاظت کا اہتمام کرتے بلکہ دنیا بھر کے لوگوں کو انسانیت اور مکارم اخلاق کی تعلیم و تربیت کے لیے استعمال کرتے۔ علم و فکر کے تقاضوں اور اجتہادی فہم و بصیرت کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے ہم اس شعبہ میں پسپائی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ تحفظ دین کی خاطر ہمیں اس شعبہ میں بذل غایۃ الوسع اور استفراغ الوسع (اپنی تمام صلاحیتوں کو صرف کرکے اور حتی المقدور محنت و کوشش پر عمل کرنا ہوگا، یہ ہمارے اہل علم پر واجب ہے۔

تحفظ حیات کا ایک اہم شعبہ صحت و معالجہ ہے۔ اس شعبہ میں بھی امت مسلمہ بہت پیچھے رہ گئی ہے۔ اس لیے کہ اس شعبہ کو دنیا داری کہہ کر نظر انداز کر دیا گیا۔ مقاصد الشریعہ میں جان کے تحفظ کے جس حق کا ذکر کیا گیا ہے وہ صرف قتل کے بدلے قصاص کے قانون تک محدود نہیں بلکہ بیماریوں کا صحیح علاج دریافت کرنا اور ایسی ادویات کا تیار کرنا جو ان بیماریوں کا موثر علاج ثابت ہوں جن کی وجہ سے لوگ موت کا شکار ہو رہے ہیں یا معذور ہو کر بےبسی کی زندگی بسر کر رہے ہیں شرعاً واجب ہے اور مقاصد الشریعہ کے دائرہ میں آتا ہے۔ کم از کم ہم اسے فرض کفایہ میں تو شامل رکھیں۔ آج صورت حال یہ ہے کہ جو دولت مند لوگ ہیں وہ تو بیرون ملک جا کر اپنا علاج کرا لیتے ہیں لیکن عام یا متوسط آدمی اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا اس طرح تحفظ حیات کا مقصد نظر انداز ہو رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اگر بیماریاں پید اکی ہیں تو ان کا علاج بھی رکھا ہے، بعض امراض ایسے ہیں جن کا علاج ہم ابھی تک دریافت نہیں کرسکے۔ یہ اس شعبہ کے اہل علم و فن کا فرض ہے کہ وہ ایسے امراض کا علاج تلاش کریں۔ بعض امراض کے علاج و معالجے میں کچھ اقوام نے ترقی کی ہے، انہوں نے طریق علاج بھی دریافت کیا ہے اور ادویات بھی تیار کی ہیں، لیکن اس پر صرف انہی کی اجارہ داری ہے۔ ہمارے پڑوس میں بھارت نے بھی طب کے شعبہ میں کافی ترقی کی ہے، بہت سے پاکستانی اس وقت وہاں علاج کے لیے گئے ہوئے ہیں، لیکن بھارت کے ساتھ ہمارے تعلقات کی وجہ سے وہاں جانا آنا آسان کام نہیں۔ ہمارے اہل حل و عقد کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس شعبہ میں بحث و تحقیق اور ایجاد و دریافت کی طرف توجہ دیں تاکہ ہم تشخیص امراض اور علاج و معالجہ کے ذریعہ انسانی جانوں کا تحفظ کرسکیں۔

معیشت اور صنعت و حرفت کے میدان میں بھی بڑے پیمانے پر اجتہادی بصیرت کے ساتھ کام کرنے کی ضرورت ہے۔ ان شعبوں میں شاید ضروریات کے ساتھ حاجیات کو بھی ملحوظ رکھنے کی ضرورت ہے۔ پاکستان اور افغانستان گزشتہ کئی دھائیوں سے توانائی، خصوصاً برقی توانائی کے بحران کا شکار ہیں، جس کی

وجہ اس خطہ کی معاشی ترقی کی رفتار بھی بہت سست ہے۔ قرآن حکیم نے توانائی کے مآخذ (Sources) کا تذکرہ اسی لیے کیا تھا کہ ہم ان سے فائدہ اٹھائیں۔ مثلاً قرآن حکیم ہمیں بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شمس و قمر اور نجوم کو ہمارے لیے مسخر کر دیا ہے، ہواؤں، دریاؤں اور سمندروں کو ہمارے لیے مسخر کیا ہے۔ اب یہ ہم پر منحصر ہے کہ ہم ان سے کس قدر وسیع پیمانہ پر فائدہ اٹھا سکتے ہیں اس کا دار و مدار اس بات پر ہے کہ ہم ان شعبوں میں بحث و تحقیق کو ترجیحی بنیادوں پر فروغ دیں۔ ہمارے وہ اہل علم جو ان شعبوں میں مہارت رکھتے ہیں قرآن حکیم کی رہنمائی اور ہدایات پر غور کریں اور بذل الجہد پر عمل کریں تو یقیناً توانائی کے بیش بہا وسائل دریافت کرسکتے ہیں۔ رسول اللہ کے اجتہادات سے ہمیں مختلف شعبوں میں صحیح رہنمائی ملتی ہے، اس لیے آپ کے بعض اجتہادات کا جائزہ لینا مفید ثابت ہوگا۔

ہمارے فقہا نے اجتہاد پر بحث کرتے ہوئے رسول اللہ کے بعض فیصلوں پر روشنی ڈالی ہے۔ فقہا کی رائے میں رسول اللہ کے یہ فیصلے اجتہاد پر مبنی تھے، اسی لیے مسئلہ اجتہاد پر بحث کرتے ہوئے فقہا نے جا بجا رسول اللہ کے فیصلوں اور اجتہادی آراء کا حوالہ دیا ہے۔ بعض اہل علم نے آپ کے اجتہادات کو کتابی صورت میں مدون کیا ہے، اس لیے کہ آپ کے اجتہادات امت کے لیے ہمیشہ مشعل راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ہماری رائے میں تأبیر النخل کا مسئلہ اجتہاد کے باب میں بہت اہمیت کا حامل ہے، اس میں اہلِ اجتہاد کے لیے کچھ اصولی ہدایات ملتی ہیں۔

تأبیر النخل کا واقعہ یہ ہے کہ جب رسول اللہ مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ اہل مدینہ اپنے نخلستانوں میں نر و مادہ درختوں میں پیوند کاری کرتے ہیں، رسول اللہ نے کھجور کی کاشت کرنے والوں سے پوچھا کہ یہ کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے بتایا کہ وہ کھجور کے درختوں میں پیوند کاری کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم یہ کام نہ کرو تو شاید بہتر ہو۔ رسول اللہ کے فرمانے پر لوگوں نے یہ عمل ترک کردیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کھجور کی پیداوار نہ صرف کم ہوگئی بلکہ کھجور کی اعلیٰ قسم کی پیداوار بھی رک گئی۔ جب یہ ساری صورت حال رسول اللہ کے علم میں لائی گئی تو آپ نے فرمایا کہ اگر یہ عمل تمہاری پیداوار کے لیے مفید ہے تو تم اسے ضرور کرو۔ میں نے تو محض اپنے خیال (ظن) کا اظہار کیا تھا۔ ہاں جب میں دین کے معاملہ میں کوئی حکم دوں تو اسے مضبوطی سے تھام لو۔ حضرت رافع بن خدیجؓ کی روایت میں ہے کہ جب میں کسی دینی مسئلہ میں حکم دوں تو اسے قبول کر لو اور جب میں دنیاوی امور میں اپنی رائے کا اظہار کروں تو یاد رکھو میں بھی انسان ہوں۔[xv]

اس حدیثِ مبارکہ سے ہم ایک اصول اخذ کرسکتے ہیں، وہ یہ کہ اجتہاد کے باب میں متعلقہ فن یا علم میں مہارت رکھنے والوں کی رائے کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ مثلاً اگر مسئلہ کا تعلق انتظامی امور سے ہے تو انتظامی امور میں مہارت اور تجربہ رکھنے والے کی رائے معتبر ہوگی اور اگر اس مسئلہ کا تعلق طبی امور سے ہے تو علم طب میں مہارت رکھنے والے کی رائے کا اعتبار کیا جائے گا۔

جنگ بدر میں حباب ابن منذر کی رائے بھی جنگی حکمت عملی پر مبنی تھی، اسی لیے رسول اللہ نے ان کی رائے کو خوشی کے ساتھ قبول فرمایا اور

مسلمان فوجوں کو حکم دیا کہ وہ اس جگہ پڑاؤ ڈالیں جس جگہ کا مشورہ حباب ابن منذر نے دیا ہے۔ آپ نے فوج کے پڑاؤ کے لیے پہلے جو حکم جاری فرمایا تھا اسے واپس لے لیا۔ یہ دونوں واقعات اس اصول کو مستحکم کرتے ہیں کہ اجتہاد کے باب میں اہل فن اور متخصصین کی رائے کو اہمیت دی جاتی ہے۔

اگر اس اصول کو تسلیم کر لیا جائے تو ہمارے آج کے دور میں رؤیت ہلال کا مسئلہ بحسن و خوبی حل ہوسکتا ہے۔ آج کے دور میں خلائی تحقیقات اور علم الافلاک نے اس قدر ترقی کرلی ہے کہ چاند و سورج کی گردش، ان کے طلوع و غروب اور گرہن ہونے کا علم وقت سے بہت پہلے وثوق کے ساتھ مہیا کر دیا جاتا ہے۔ لہٰذا رویت کے سلسلہ میں اس فن اور اس میں مہارت رکھنے والوں کی رائے سے استفادہ کیا جاسکتا ہے، اہلِ فن اور ماہرین کی رائے کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے مشکلات اور الجھنیں پیدا ہو رہی ہیں۔ شریعت مسائل کو حل کرنا چاہتی ہے، الجھنیں اور مشکلات پیدا کرنا نہیں چاہتی۔

صحابہ کرام میں وہ حضرات جنہیں تفقہ فی الدین (دین کا فہم) حاصل ہوا اور انہوں نے رسول اللہ کی نگرانی میں اجتہاد کا عمل شروع کیا، ان کے اجتہادات کے مطالعہ سے بھی واضح ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک اجتہاد کے مفہوم میں بہت وسعت تھی۔

اجتہاد کے باب میں فقہا کے نزدیک سب سے اہم روایت تو حضرت معاذ بن جبلؓ کی ہے جس میں انہوں نے رسول اللہ کے سوالوں کے جواب میں فرمایا تھا کہ کسی مسئلہ کا حل قرآن و سنت میں موجود نہ ہونے کی صورت میں، میں اپنی رائے پر عمل کروں گا اور پوری کوشش کروں گا کہ صحیح نتیجہ تک پہنچ جاؤں(اجتهد برآی ولا آلو)[xvi]

اس روایت کا تجزیہ کیجیے تو بہت سے علمی پہلو نمایاں ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے تو اصولی طور پر یہ بات واضح ہوتی ہے کہ علم قطعی کا حقیقی ماخذ وحی الٰہی ہے، اس کے بعد علم کا ذریعہ و مصدر انسانی حواس اور عقل و فہم ہیں۔ لہٰذا انسان کی اجتماعی زندگی کا کوئی بھی مسئلہ ہو اس کا حل عقل و حواس، تجربہ اور مشاہدہ کے ذریعہ نکالا جاسکتا ہے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ جس رائے کے ذریعہ مسئلہ کے حل کی بات کر رہے ہیں وہ محض خیال و تصور نہیں ہے بلکہ وہ رائے ہے جو قرآن حکیم اور سنت نبوی کے گہرے مطالعہ اور پھر اس کی روشنی میں اپنی عقل و فہم کو استعمال کرکے قائم کی گئی ہو۔

باب اجتہاد میں دوسری اہم روایت حدیث عمرو بن العاص ہے، جو ان تمام ذمہ دار لوگوں کو جو کسی نہ کسی صورت میں عدالتی اختیار رکھتے ہیں، اس بات کے لیے پابند کرتی ہے کہ وہ قیام عدل کے لیے اجتہاد کریں اور اپنے تمام تر علم اور حواس کو استعمال کرکے عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کی کوشش کریں۔ اس حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ انسانی حواس اور اس کی فکر و رائے میں غلطی کا امکان ہے، لیکن اگر وہ سنجیدگی اور اخلاص کے ساتھ عدل کے تقاضوں کو پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے پھر اس کے باوجود رائے قائم کرنے میں اس سے غلطی ہوجائےتو وہ غلط فیصلہ کے لیے ذمہ دار نہیں ہوگا بلکہ وہ اس تمام جدوجہد کے لیے جو اس نے عدل کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے کی ہے، اجر و ثواب کا مستحق قرار پاتا ہے۔[xvii]

امور عدل میں غور کیجیے، صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قاضی اسی وقت عدل قائم کرسکتا ہے جب وہ پوری طرح اجتہاد سے کام لے۔ قاضی کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے علم، اپنی فکر و ذہانت، غور و فکر اور تجزیہ و تحلیل کے ذریعہ صحیح نتیجہ تک پہنچنے کی کوشش کرے، یہی قاضی کا اجتہاد ہے۔

قرآن حکیم نے اجتہادی صلاحیت اجاگر کرنے کے لیے استخراجی اسلوب کو بھی اپنایا ہے اور استقرائی اسلوب کو بھی، بلکہ استقرائی اسلوب جا بجا نظر آتا ہے۔ اس لیے کہ استقرائی انداز میں جو دلیل پیش کی جاتی ہے وہ زیادہ مضبوط ہوتی ہے۔ وہ صحابہ کرام جنہیں رسول اللہ نے اجتہاد کی اجازت عطا فرمائی تھی، ایسے ہی اہل علم تھے جو قرآن کریم سے استدلال و استنباط کے مناہج کو اچھی طرح سجھتے تھے۔

## حضرت عمر کی ہدایات

صحابہ کرام کے ہاں اجتہاد کی جو مثالیں ملتی ہیں، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ زیادہ تر اشباہ و نظائر کو سامنے رکھ کر اجتہاد کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے جو تحریر حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے نام لکھی تھی اس میں بھی اس بات کی واضح ہدایت کی گئی تھی۔ ان کے الفاظ پر غور کیجیے:

الفهم الفهم فيما يتلجلج في صدرك مما ليس فيه قرآن ولا سنة، واعرف الاشباه والأمثال، ثم قِس الأمور بعد ذالك، ثم اعمد فيما ترى الى احبها الى الله واشبهها بالحق [xviii]

(جو مسئلہ تمہارے دل میں کھٹکے اور قرآن و سنت میں اس کے بارے میں کچھ نہ ملے تو تم اسے خوب اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کرو، اس سے ملتے جلتے نظائر اور امثال کو سمجھو، پھر نئے مسائل کو ان پر قیاس کرو، پھر اس پہلو کو اختیار کرو جو اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہو، اور حق سے زیادہ مماثلت رکھتا ہو)۔

حضرت عمرؓ کی اس تحریری ہدایت میں اشباہ اور امثال کو پیش نظر رکھ کر قیاس کرنے کا حکم دیا گیا ہے، جو اجتہاد ہی کی ایک صورت ہے۔ قیاس کی وہ فنی صورت جس میں علت کو بنیاد بنا کر فیصلہ کیا جاتا ہے بعد میں ارتقاء پذیر ہوئی ورنہ قیاس عہد رسالت اور دور صحابہ میں زیادہ وسعت رکھتا تھا اور ظاہری مشابہت اجتہادی رائے قائم کرنے کے لیے کافی ہوتی تھی، رسول اللہ کا فوت شدہ حج کو دَین (قرضہ) پر قیاس کرنا اس کی نمایاں مثال ہے۔[xix]

حضرت عمرؓ کا ارضِ سواد کو مجاہدین میں تقسیم نہ کرنا اور اسے مال فے پر قیاس کرنا بھی باب اجتہادؔ میں ایک اہم مثال ہے۔ یہاں حضرت عمرؓ کا استدلال فے اور غنیمت میں ظاہری مشابہت کی وجہ سے تھا۔ سورہ حشر کی متعلقہ آیت کا مطالعہ کیجیے تو اور بھی کئی پہلو اجاگر ہوں گے جن پر حضرت عمرؓ غور کرتے رہے۔[xx]

ارض سواد کا مسئلہ مشاورتی اجتہاد کے ذریعہ حل کیا گیا تھا، اس مشاورتی اجتہاد میں سب سے زیادہ مؤثر تو سورہ حشر کی مذکورہ آیت سے استدلال تھا، لیکن حضرت عمرؓ نے اس اجتہادی عمل میں اور بھی بہت سے پہلوؤں کا جائزہ لیا۔ ہماری رائے میں اجتہاد کی وسعت کو سمجھنے میں اس اجتہادی عمل کا تجزیہ مفید ثابت ہوگا۔

ارضِ سواد کی تقسیم کے مسئلہ کو اموال فے پر قیاس اگرچہ مؤثر استدلال تھا لیکن امامِ ابوعبیدؒ نے ایک اور سبب کی بھی نشان دہی کی ہے، حضرت عمرؓ نے مجاہدین سے فرمایا تھا ہذا عین المال (یہ تو اصلی یا حقیقی مال ہے) لہذا اسے صرف مجاہدین میں تقسیم نہیں کیا جاسکتا اس لیے کہ آیت فے کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے بتا دیا ہے کہ حقیقی مال صرف اغنیاء کے درمیان گردش نہ کرتا رہے بلکہ اس میں مساکین، غرباء، یتیموں اور بیواؤں وغیرہ کا بھی حق ہے، ان کے اس حق کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔

دوسرا پہلو یہ تھا کہ اگر زمینیں مجاہدین میں تقسیم کر دی جائیں تو ان زمینوں پر کاشت کرنے والے اہل الذمہ بےروزگار ہوجائیں گے، حکومتِ وقت کی یہ ذمہ داری ہے کہ اہل الذمہ کے حقوق کی نگہبانی کرے، انہیں روزگار مہیا کرے۔

تیسرا پہلو معاشی تھا، حضرت عمرؓ کا خیال تھا کہ زمینوں پر کاشت کرنے والے پرانے لوگ زمینوں کی کاشت کا اچھا تجربہ رکھتے ہیں، اگر یہ زمینیں ان سے لے کر مجاہدین میں تقسیم کر دی جائیں تو ان میں اچھی خاصی تعداد ایسے مجاہدین کی ہے جو کاشت کاری کا تجربہ نہیں رکھتے، زمینیں ان کے حوالہ کر دینے سے پیداوار متاثر ہوگی، غذائی پیداوار کی قلت نہ صرف ایک معاشی مسئلہ ہے بلکہ اس کی وجہ سے کچھ معاشرتی برائیاں بھی پیدا ہوتی ہیں۔

چوتھے پہلو کا تعلق مملکت کے نظم دفاع سے ہے۔ حضرت عمرؓ ملک و امت کے دفاع اور جہاد کے امور پر گہری نظر رکھتے تھے۔ اس معاملہ میں کسی قسم کی کمزوری اور کوتاہی ان کے نزدیک ناقابل برداشت تھی۔ حضرت عمرؓ ماہر انساب بھی تھے اور دور جاہلیت میں سفارت (diplomacy) کے فرائض بھی انجام دیتے رہے ہیں، وہ لوگوں کے مزاج اور ان کی نفسیات سے بھی واقف تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ زمینداروں کی نفسیات کیا ہوتی ہے، اور مجاہدین کی نفسیات کیا ہوتی ہے۔ کاشت کاروں اور زمینداروں کو اپنی جائیداد اور زمینوں سے جو لگاؤ ہوتا ہے اس کی وجہ سے اچھے مجاہدین نہیں بن سکتے اس لیے حضرت عمرؓ نہیں چاہتے تھے کہ مسلمانوں کے فوجی مجاہدین زمین داری میں پڑ جائیں، اور پھر اس کے نفسیاتی اثرات مستقبل میں مسلمانوں کے نظم دفاع و جہاد کو متاثر کریں۔ حضرت عمرؓ کے پیش نظر یہ مسئلہ بھی تھاکہ اس مال میں آئندہ دائرہ اسلام میں آنے والوں اور مستقبل کی نسلوں کا بھی حق ہے، اس کی نظر قرآن حکیم کی درج ذیل آیت پر تھی: (وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ)[الحشر ۵۹: ۱۰] (اور اس [مال فے] میں بعد میں آنے والے لوگوں کا حصہ بھی ہے)۔

حضرت عمرؓ کے اجتہادی اسلوب پر غور کیجیے تو صاف طور پر یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ سواد کی زمینوں کے مسئلہ میں امت کا مجموعی مفاد ان کے پیش نظر رہا۔ یہ اس نظریہ کی مضبوط دلیل ہے کہ خلفائے راشدین نے اجتہاد کی وسعت و جامعیت کو نہ صرف سمجھا بلکہ اس سے بوقت ضرورت استفادہ بھی کیا۔[xxi]

## شاہ اسماعیل شہید کا نقطہ نظر

فقہا نے اجتہاد کی تعریف کرنے اور اس کا مفہوم متعین کرنے میں بھی اجتہاد سے کام لیا ہے۔ اسی لیے اس کی تعریف میں فقہا کا اختلاف رہا ہے۔ بعض

فقہا جن کی نظر عہد رسالت اور دور خلفائے راشدین پر رہی ہے، انہوں نے اجتہاد کی تعریف میں اس کی وسعت کو ملحوظ رکھا ہے، بعض محتاط فقہا وہ تھے جنہوں نے یہ خطرہ محسوس کیا کہ بعض لوگ شریعت کے اس اصول کو غلط استعمال کرسکتے ہیں تو انہوں نے اجہتاد کی تعریف اس انداز سے کی کہ اس کا غلط استعمال مشکل ہوجائے۔ بہرحال اہل علم کا اختلاف بھی باعث رحمت ہوتا ہے۔ کسی کا اختلاف یا رائے امت کو مجبور نہیں کرسکتی کہ وہ اجتہاد کی وسعت کو ترک کرکے تنگی کا راستہ اختیار کرے۔ شاہ اسماعیل شہیدؒ نے اسے اچھے پیرایہ بیان کیا ہے:

ليس الاجتهاد عندنا منحصرا في الفقه المصطلح بل له عموم في كل فن، نعم لكل فن طريق عليحده في الحاق المسكوت بالمنطوق

(ہمارے نزدیک اجتہاد فقہ کے اصطلاحی مفہوم میں منحصر نہیں ہے، اجتہاد کا تعلق ہر فن کے ساتھ ہے، البتہ ہر فن کے ماہرین کا اپنا اسلوب ہوتا ہے کہ وہ ان امور میں شریعت کی واضح ہدایات کے ساتھ کس طرح مربوط کرتے ہیں ان امور کو جن کے بارے میں شریعت خاموش ہے)۔[xxii]

شاہ اسماعیل شہیدؒ نے یہاںاس بات کی وضاحت کر دی ہے کہ اجتہاد ہر فن میں کیا جائے گا اور ہر شعبہ زندگی کے مسائل وہی لوگ حل کریں گے جو اس شعبہ یا فن کے بارے میں وسیع علم و تجربہ رکھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تکمیل دین کا مفہوم اسی وقت سمجھ میں آتا ہے جب ہمارے پاس کوئی ایسا اصول موجود ہو جو تاقیامت پیش آنے والے تغیرات کو دین کے مزاج کے مطابق ڈھال کر اپنے اندر ضم کرلے، اور ہر تہذیب و تمدن میں ابھرنے والے مسائل کا حل پیش کرے۔ یہ اسی وقت ممکن ہو سکتا ہے جب ہم اجتہاد کا اطلاق تمام علوم و فنون پر کریں، بلکہ نئے علوم و فنون کی دریافت کے لیے بھی ہمیں اجتہاد کا راستہ اپنانا ہوگا۔

مثال کے طور پر اگر نئے نئے امراض پیدا ہو رہے ہوں، یا ایسے امراض موجود ہوں جو لاعلاج تصور کیے جاتے ہوں تو ان کا علاج دریافت کرنا واجب ہے۔ دنیا میں جو مرض پیدا ہوتا ہے اس کا علاج بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ ہمارے علم طب کے میدان میں ماہرین کا فرض ہے کہ وہ ایسے امراض کا علاج دریافت کریں۔

بیماریوں کا علاج اور انسانی دکھ درد کا مداوا کرنا انسانیت اور معاشرہ کی خدمت کا ایک اہم شعبہ ہے۔ اسلام میں تو معمولی سی تکلیف دہ چیز کو دور کرنا بھی عبادت ہے، "اماطة الاذى عن الطريق" راستہ پڑی ہوئی تکلیف دہ چیز کو دور کرنا بھی عبادت ہے، مثلاً پتھر یا کانٹا وغیرہ ہٹا دینا بھی عبادت ہے اور باعث اجر و ثواب ہے۔ لہٰذا طب اور ادویہ سازی کے شعبہ میں بحث و تحقیق اور مختلف امراض کا علاج دریافت کرنا دین کا ضروری تقاضا ہے۔

ہمارے فقہا نے تحفظ جان کو مقاصد شریعہ کا بنیادی اصول قرار دیا ہے۔ تحفظ جان کے لیے صرف قاتل یا دہشت گرد کے خلاف قانون سازی ہی ضروری نہیں بلکہ تحفظ جان کے لیے تعلیم و آگاہی اور بحث و تحقیق بھی واجب ہے اس کے بغیر شریعت کا یہ اہم مقصد پورا نہیں ہوتا۔ یہی صورت حال دیگر علوم و فنون کی ہے۔ مثلاً صنعت و حرفت، تجارت و زراعت، جہاد و دفاع، نظم مملکت وغیرہ۔

اصول یہ ہے کہ جس علم و فن میں بحث و تحقیق اور دریافت و ایجاد کو ترک کردینے کی وجہ سے امتِ مسلمہ اغیار کی محتاج ہو جائے، یا اقوام عالم میں کمزور پڑ جائے تو یہ مقاصد شریعہ، اور مقاصد دین کے خلاف ہے جو شرعاً جائز نہیں۔

ہم نے مندرجہ بالا صفحات میں اس بات کو واضح کیا ہے کہ اجتہاد کی تعریف میں فقہا کا اختلاف رہا ہے۔ یہ اختلاف احتیاط اور جوازِ وسعت کا اختلاف ہے، اور یہ باعث رحمت ہے۔ ہم یہاں فقہا کی پیش کردہ اس اجتہادی تعریف پر بحث کریں گے جو انہوں نے عہد رسالت اور دور خلفاء راشدین کے اجتہاد کو مدنظر رکھ کر پیش کی ہے۔

## ماوردی کے نزدیک اجتہاد کا مفہوم

محمد بن حبیب الماوردی (م ۴۵۰ھ)، بڑے فقیہ ہیں اور بحیثیت قاضی و مجتہد قانون کی تنفیذ و تطبیق اور اجتہاد کا عملی تجربہ رکھتے ہیں، وہ اجتہاد کی تعریف اس طرح کرتے ہیں: هو طلب الصواب بالأماراتِ الدالة عليه[xxiii](قرائن اور دلائل کے ذریعہ صحیح بات کو پا لینے کی جستجو کا نام اجتہاد ہے)۔

اس تعریف کی رو سے دائرہ اجتہاد میں زندگی کے وہ تمام مسائل شامل ہوجاتے ہیں جن کا تعلق خواہ تشریعی مسائل سے ہو یا فنی اور میکانیکی امور سے، ان کا تعلق ترقیاتی امور سے ہو یا صحت و ماحول کے مسائل سے، غرض اجتہاد کا دائرہ زندگی کے تمام شعبوں کو محیط ہے۔ ابن السمعانی فرماتے ہیں کہ مندرجہ بالا تعریف فقہا کی بحث کے مطابق ہے۔[xxiv] اس لیے کہ سب ہی فقہا اس پر متفق نظر آتے ہیں کہ مسئلہ کا حل تلاش کرنے کےلیے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو صرف کرکے ایسی رائے قائم کی جائے جو فقیہ کے خیال میں صحیح ہو اور دین کے تقاضوں کے مطابق ہو۔[xxv]

ماضی میں مسلمان اہل علم نے اجتہادی بصیرت کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ درپیش عملی مسائل کا حل پیش کیا بلکہ بہت سے نئے علوم و فنون کو بھی ترقی دی۔ اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو علوم تفسیر علوم الحدیث، علم و جرح و تعدیل، تصوف وغیرہ سب ہی اجتہاد کے مرہون منت ہیں، ان کے علاوہ بہت سے فنی علوم کو بھی اجتہادی فکر نے ترقی کے بام عروج کو پہنچایا۔ پانچویں صدی ہجری تک مسلمانوں کی تہذیبی، علمی اور فکری ترقی اس وجہ سے ہوتی رہی کہ اجتہاد کا اصول اپنی وسعت کے ساتھ کار فرما رہا، بعد میں اگرچہ اجتہاد کی وجہ سے علمی و فکری ترقی کا عمل آگے تو بڑھا لیکن اجتہاد پر پابندیوں اور کڑی شرائط کی وجہ سے کمزور تو پڑ گیا لیکن اجتہادی ضعف کے باوجود ارتقاء کا عمل مکمل جمود کا شکار نہیں ہوا۔ البتہ استعماری قوتوں کے تسلط کے بعد جب علمی و فکری سفر رکا، تو اجتہاد کا عمل بھی بہت سست ہوگیا۔ اجتہاد کو دین کے سارے دائروں سے نکال کر صرف ان احکام و مسائل تک محدود کر دیا گیا جو فقہ کی قدیم کتب میں پائے جاتے ہیں، مثلاً آج بھی اگر اجتہاد پر بحث ہوتی ہے تو نکاح و طلاق، حدود و تعزیرات، خرید و فروخت وغیرہ کے مسائل تک محدود رہتی ہے، حالانکہ دین و شریعت کا دائرہ زندگی کے تمام شعبوں کا احاطہ کرتا ہے۔

## جہاد اجتہاد کے بغیر ممکن نہیں

مثلاً جہاد دین کا ایک اہم شعبہ ہے، جہاد جب قتال کے مفہوم ہو تو اس پر علما نے ہر دور اور ہر زمانہ میں بحث کی ہے، لیکن جہاد کے لیے وسائل پیدا کرنے اور اس کی تیاری کی طرف پوری طرح توجہ نہیں دی گئی۔ قرآن حکیم نے جہاد کی تیاری کے لیے جو حکم دیا ہے اس کی رو سے تو امت مسلمہ کو ہر دور اور ہر زمانہ میں وقت کے تقاضوں کے مطابق تیاری کرنا بھی فرض ہے، جو اجتہاد کے بغیر ممکن نہیں۔ تیاری کے بارے میں قرآن حکیم کا ارشاد ہے:

﴿وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِنْ دُونِهِمْ لا تَعْلَمُونَهُمُ اللهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لا تُظْلَمُونَ﴾[الانفال ۸: ٦٠]

(تم [دشمنوں کے مقابلہ کے لیے] اپنی مقدور بھر اتنی تیاری کرو اور قوت حاصل کرو، اپنے گھوڑے تیار رکھو کہ تمہاری دہشت اور خوف اللہ اور تمہارے دشمنوں پر چھایا رہے، اور ان دشمنوں پر بھی جنہیں تم نہیں جانتے، اللہ تعالیٰ انہیں جانتا ہے، اور جو کچھ تم اللہ کی راہ میں [جہاد کے لیے] خرچ کرو گے تو تمیں اس کا پورا پورا اجر دیا جائے گا اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا)۔

اس آیت مبارکہ کے الفاظ اور ترکیب پر غور کیجیے تو اندازہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے کس قدر زور دے کر حکم دیا ہے کہ امتِ مسلمہ ہر دور اور ہر زمانہ میں مقدور بھر، زیادہ سے زیادہ قوت و طاقت حاصل کرنے کی کوشش کرے، اور اپنے تحفظ اور دفاع کی بھرپور تیاری کر رکھے، اتنی زیادہ کہ امت مسلمہ کے ظاہری اور چھپے ہوئے ہر طرح کے دشمن پر ان کی دھاک بیٹھ جائے، اور کسی کو بھی ان کی طرف بری نظر سے دیکھنے کی ہمت نہ ہو یقینی بات ہے کہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے بہت پہلے سے منصوبہ بندی کرنا ہوگی، ہمیں پہلے سے اس بات کا جائزہ لینا ہوگا کہ مستقبل قریب اور مستقبل بعید میں ہمیں کن حالات سے دو چار ہونا پڑے گا، معاصر دنیا میں اقوام عالم کی جنگی تیاریاں کس قسم کی ہو رہی ہیں، اور مستقبل میں کیا رخ اختیار کریں گی؟ اور یہ کہ ہمیں اپنے تحفظ اور دفاع کے لیے کیا کرنا ہوگا۔ ہمارے دفاعی شعبہ میں ایسے متخصصین اور ماہرین اگر پوری دیانت داری کے ساتھ امت کے تحفظ اور دفاع کے لیے استفراغ الوسع اور بذل الجہد پر عمل کرتے ہوئے ایسی تیاری کریں کہ مسلم امہ دفاع کے معاملے میں نہ صرف سرفہرست رہے بلکہ اس کی دفاعی تیاریوں کی وجہ سے دنیا بھر میں مسلم امت کی دھاک بیٹھی رہے، اور کوئی بھی دشمن ان پر حملہ آور ہونے کا سوچ بھی نہ سکے تو ان کا یہ عمل اجتہاد کے دائرے میں شمار ہوگا، بشرطیکہ وہ اجتہاد کی ضروری شرائط پوری کرتے ہوں۔ بدقسمتی سے مسلم دنیا نے اس شعبہ میں قرآن حکیم کے حکم پر عمل پیرا ہونے میں کوتاہی کی۔ تحقیق و دریافت اور ایجادات کی دنیا میں ہمیں وہ مقام حاصل نہیں ہوسکا جو قرآن کا مطلوب تھا۔ ہم امتِ مسلمہ کو تحفظ فراہم کرنے اور ان کی دفاعی ضروریات پورا کرنے میں ناکام رہے ہیں اور مقاصد شریعہ کے مطابق نہ دین کا تحفظ کرسکے ہیں نہ ہی امت کی جان و مال کا تحفظ کرسکے ہیں۔

غزوہ احزاب کے موقعہ پر مدینہ منورہ کے دفاع کے لیے رسول اللہ نے اپنے صحابہ سے مشورہ فرمایا اور باہمی مشاورت سے مدینہ منورہ کے اطراف میں خندق کھود کر دشمن کی افواج کو شہر میں داخل ہونے سے روک دیا گیا۔ فقہا

کی رائے میں دفاع کی یہ حکمت عملی مشاورتی اجتہاد کے نتیجہ میں اختیار کی گئی تھی، غزوہ بدر کے موقعہ پر حباب بن المنذر کی رائے کو رسول اللہ نے قبول کیا اور فرمایا: لقداشرت بالرأی، تم نے واقعی بہت اچھا مشورہ دیا، دونوں صورتوں میں مشورہ کا مقصد جنگی حکمت عملی طے کرنا تھا، فقہا نے ان دونوں واقعات کو رسول اللہ کے اجتہاد کے ضمن میں بیان کیا ہے۔[xxvi] لہٰذا دفاعی حکمت عملی ہر دور کے حالات کے مطابق غور و فکر اور فن حرب کے فلسفہ اور علم میں مہارت رکھنے والوں سے مشوروں کے ساتھ طے کرنا دفاع کے شعبہ میں اجتہاد کا درجہ رکھتا ہے۔ عبدالحی الکتانیؒ خندق، دبابہ اور منجنیق کا تذکرہ کرکے لکھتے ہیں کہ ان تمام حربی و دفاعی حکمتوں اور ہتھیاروں کے لیے اصول قرآنِ حکیم کی مذکورہ آیت"وأعدوا لهم"ہی ہے وہ ابن بادیس کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ اس آیت میں اس بات کی دلیل موجود ہے کہ آپ کے اطراف میں جو ممالک اور اقوام ہیں ان کی جنگی اور دفاعی صلاحیتوں پر نظر رکھنا ارباب حل و عقد کے لیے ضروری ہے، بلکہ صنعت و حرفت، زراعت اور انتظامی و عملی علوم و فنون میں بھی ان کے شانہ بشانہ رہنا ضروری ہے، ورنہ وہ تمہیں مال غنیمت سمجھ کر تم پر تسلط جما لیں گے۔[xxvii]

منجنیق جو توپ کی ابتدائی شکل تھی، یہ یمن کے علاقہ اہل حیرہ کی ایجاد تھی۔ اسی طرح دبابہ جو ٹینک کی ابتدائی صورت تھی، یہ بھی یمن کے سائنس دانوں کی ایجاد تھی۔ رسول اللہ نے ان دونوں ہتھیاروں کو سیکھنے اور اس کی تربیت کے لیے اپنے بعض صحابہ کو بھیجا، انہوں نے ان ہتھیاروں کو بنانے اور ان کے استعمال کی تربیت کے بعد ان سے بھرپور فائدہ اٹھایا، اور غزوہ طائف میں انہیں استعمال کرکے کامیابی حاصل کی۔[xxviii]

رسول اللہ کی مذکورہ سنت سے یہ اصول ثابت ہوتا ہے کہ ہر دور اور زمانہ میں کوئی بھی نفع بخش صنعت ہو یا علم کا کوئی شعبہ ہو، مسلمانوں کو ہمیشہ علوم و فنون میں اقوام عالم میں نمایاں رہنا چاہیے۔ صنعت و حرفت میں نئی نئی دریافت اور تحقیق کے لیے اہل علم و فن کا فرض ہے کہ وہ امت کو نئے نئے علوم و فنون اور نئی نئی دریافتوں سے منتفع کرتے رہیں، اور اگر ضرورت پڑے تو دیگر اقوام سے فن و تیکنیک حاصل کرنے میں بھی جھجھک محسوس نہ کریں۔ ابن قیمؒ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ دونوں ہتھیار لے کر طائف کی مہم پر تشریف لائے تھے اور عرب جو ان ہتھیاروں سے واقف نہیں تھے، رسول اللہ نے ہی سب سے پہلے عربوں کو ان سے متعارف کرایا۔[xxix]

جہاد کی تیاری بھی دین کا حصہ ہے۔ قرآن حکیم نے أعدوا امر کا صیغہ استعمال کرکے یہ واضح کر دیا ہے کہ جہاد و قتال کے لیے ضروری سازو سامان کی زیادہ سے زیادہ تیاری واجب ہے۔ غزوہ بدر میں مسلمانوں کے پاس گھوڑوں کی بہت کمی تھی، چونکہ گھوڑے اس دور میں جنگ کے لیے ناگزیر تھے اس لیے خاص طور پر گھوڑوں کی افزائش و پرورش کا حکم دیا گیا، لیکن اس کا اطلاق ان تمام ہتھیاروں پر کیا جائے گا جو کسی بھی دور میں فیصلہ کن ہتھیار قرار پاتے ہوں، قوت کا اطلاق صرف اسلحہ اور ہتھیاروں تک ہی محدود نہیں، اس کا اطلاق

افرادی قوت پر بھی ہوتا ہے۔ لہٰذا فوج کی افرادی قوت و تربیت اور ایسے اسلحہ کی تیاری امت پر فرض ہے، جس کی وجہ سے دشمن پر ہیبت طاری رہے اور وہ کسی بھی مہم جوئی سے باز رہے۔یہ ایک دینی فرض ہے جس کی ادائیگی کے لیے بذل غایۃ الجہد انتہائی محنت اور تمام صلاحیتوں کو صرف کرنا پڑتا ہے۔ اسے دینی فریضہ جان کر ہی ادا کرنا چاہیے۔

ہمارے خیال میں، آج کے دور میں خواہ فوجی تعلیم و تربیت اور جنگی حکمت عملی ہو یا اعلیٰ قسم کے اسلحہ کی تیاری دونوں کے لیے اجتہادی بصیرت اور تخلیقی صلاحیت کی ضرورت ہے، اور یہ کام دین و شریعت ہی کے دائرہ میں انجام دیا جاسکتا ہے۔

جنگوں کی صورتیں اور طریق کار تبدیل ہوتے رہتے ، کبھی جنگ اسلحہ کے ذریعہ لڑی جاتی ہے کبھی یہ معیشت کے میدان میں حربی شکل اختیار کر لیتی ہے، تو کبھی سیاست و سفارتکاری (Diplomacy) کی صورت میں لڑی جاتی ہے۔ موجودہ دور میں جنگ کی ایک بھیانک شکل نمودار ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ خفیہ ایجنسیوں کے ذریعہ اپنے دشمن ممالک میں تخریب کاری اور دہشت گردی کو فروغ دیا جائے اور ہر وہ حربہ استعمال کیا جائے جس کے ذریعے سے دشمن کی معیشت اور مملکت کو تباہ کرکے نقصان پہنچایا جائے۔[xxx]

## تعمیر کام کے لئے قوت کاحصول:

غیر انسانی اور غیر اخلاقی حربے تو اب تمام جنگوں میں استعمال کیے جاتے ہیں، لیکن خفیہ ایجنسیوں کے ذریعہ جو تخریب کاری اور دہشت گردی کرائی جاتی ہے اس کی وجہ سے انسانیت اور انسانی حیات و اقدار کو سب سے زیادہ نقصان پہنچا ہے۔

اس عالمی دہشت گردی اور تباہ کاری کی روک تھام کے لیے اور غیر قانونی اور غیر اخلاقی جنگ کے خاتمہ کے لیے مسلمان اہل حل وعقد کو بصیرت سے کام لینا ہوگا۔ ایک طرف ان بڑی حکومتوں کو علم و دلائل سے قائل کرنے کی ضرورت ہے جنہوں نے مضبوط خفیہ ایجنسیوں کے ذریعہ ہر قسم کی دہشت گردی کا بازار گرم کیا ہوا ہے۔ دوسری طرف ان دہشت گردوں کی اصلاح و تربیت کا طریق کار بھی دریافت کرنا ہوگا جو دہشت گردی کی تربیت حاصل کرکے اس گھناؤنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ تیسرے یہ دریافت کرنا ہوگا کہ جو دہشت گرد اپنی پلاننگ کرچکے ہیں ان کے منصوبوں کو کیسے ناکام بنایا جاسکتا ہے۔ جس ٹیکنالوجی کو دہشت گرد دشمن ہمارے خلاف استعمال کررہے ہیں ہم اس ٹیکنالوجی کو کیسے غیر موثر کرسکتے ہیں؟ یہی وہ نکتہ ہے جہاں ہمیں سوچنا ہوگا کہ ہم علمی اور فنی طور پر اس قدر نمایاں رہیں کہ ہم ہر ایسی ٹیکنالوجی کا توڑ کرسکیں جو خاص طور پر کمزور اقوام کے خلاف استعمال کی جارہی ہے، اس قسم کے اعلیٰ فن و سائنس کی دریافت جہاد کا ایک لازمی حصہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا:

المؤمن القوى خير وأحب الى الله من المؤمن الضعيف، وفي كل خير، احرص على ما ينفعك واستعن بالله ولا تعجز، وان اصابك شيئ فلا تقل: لو أني فعلت كذا وكذا ولكن قل: قدر الله، وما شاء فعل، فان "لو" تفتح عمل الشيطان[xxxi]

صاحب قوت و طاقت مؤمن اللہ تعالیٰ کی نظر میں کمزور مومن کی بہ نسبت بہتر ہے اور وہی اللہ کو زیادہ محبوب ہے، اگرچہ دونوں صورتوں میں خیر ہے۔ اس چیز کی خواہش کرو جو تمہارے لیے نفع بخش اور مفید ہے، اور اللہ تعالیٰ کی مدد چاہتے رہو، عاجز و بے بس بن کر نہ رہو، اور اگر تم پر کوئی مصیبت آ پڑے تو یہ نہ کہو کہ کاش میں نے اس طرح اس طرح کیا ہوتا! بلکہ یہ کہو کہ اللہ نے یہی مقدر کیا تھا، وہی ہوتا ہے جو اللہ چاہتا ہے، اس لیے کہ "لو" (کاش) کا لفظ شیطانی کاموں کا دروازہ کھولتا ہے۔

یہ حدیث نبوی ہمیں تعلیم دے رہی ہے کہ ہم اپنی تمام قوت و توانائیوں کے ساتھ دنیا میں زندہ رہیں۔ مؤمن کو تین چیزوں سے طاقت و قوت حاصل ہوتی ہے۔ سب سے پہلے علم کہ اس کے حصول کے لیے تمام تر جدوجہد کرنا اور اس میں کمال حاصل کرنا ضروری ہے۔ دوسرے ایمان کہ یہ مومن میں ایسی قوت پھونک دیتا ہے جس کا تصور ایمان سے عاری لوگ نہیں کرسکتے۔ تیسری قوت مکارم اخلاق کو اپنانے سے پیدا ہوتی ہے پھر علم جو فی نفسہ ایک قوت ہے جب انسان اس پر عمل پیرا ہوتا ہے تو عمل کی وجہ سے علم کے مزید در کھلتے ہیں، اس طرح مؤمن کی کی قوت میں مسلسل اضافہ ہوتا ہے۔ اسلام عجز و کسل کی زندگی بالکل پسند نہیں کرتا۔ رسول اللہ نے عجز و کسل سے پناہ مانگی ہے۔ اس لیے کہ عجز و کسل جمود و پستی کی طرف دھکیل تا ہے۔[xxxii]

قوت و طاقت کا حصول اگر تعمیری اور مثبت کاموں کے لیے ہو تو وہ مطلوب و پسندیدہ ہے۔ اس حدیث میں احرص علی ما ینفعک کے الفاظ بھی قابل غور و فکر ہیں، حدیث میں نفع بخش اشیا اور مفید چیزوں کے حصول کے لیے جدوجہد پر آمادہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بےشمار نفع بخش اشیاء انسانوں کے فائدے کے لیے پیدا کی ہیں، ان میں سے بہت سی فائدہ مند چیزیں معلوم و معروف ہیں، انسان ان سے فائدہ اٹھاتا ہے، جیسے خالص دودھ، شجر و حجر، پانی، کھیت، دریا وغیرہ، لیکن ابھی ایسے بہت سے منافع ہیں جن کو انسان ابھی تک دریافت نہیں کرسکا، ان کی دریافت اور تلاش میں سرگرمی دکھانا بھی عبادت ہے اس لیے کہ یہ خدمتِ خلق کے لیے ضروری ہے۔ سورۂ مومنون میں اللہ تعالیٰ نے بارش کے پانی اور زیر زمین اس کے ذخائر، اور مختلف پھلوں اور جانوروں کو ذکر کرکے فرمایا ہے:
﴿وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ كَثِيرَةٌ﴾[المومنون ٢٣: ٢١] (اور ان میں تمہارے بہت سے منافع ہیں)۔[xxxiii]

بحر و بر کی تسخیر سمندروں اور فضاؤں میں راہوں کا ذکر، معدنیات، سمندری سواریوں اور لوہے (حدید) وغیرہ کو ذکر کر کے بتایا گیا ہے کہ ان میں لوگوں کے لیے منافع ہیں۔[xxxiv]ان منافع سے کس کس طرح فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، یہ صاحب علم انسان کا کام ہے کہ وہ محض ظاہری فائدوں تک محدود نہ رہے بلکہ ان فوائد کو بھی دریافت کرے جو ابھی تک انسان پر پوشیدہ ہیں۔ یہی وہ بحث و تحقیق ہے جو مومن کے لیے اجتہاد کا درجہ رکھتی ہے۔

جہاد ایک بین الممالک اور عالمی مسئلہ ہے، اس سے متعلق قرآن و سنت کے حکم اور آج کے دور میں پیدا ہونے والی حوائج و ضروریات پر ہم نے بحث کی ہے۔ یہاں ایک معاشرتی مسئلہ پر بھی گفتگو کرنا مفید ہوگا۔

قرآن حکیم بہت سے جرائم، معاصی اور برائیوں سے براہ راست حکم دے کر منع کرتا ہے مثلاً﴿لا تقتلوا اولادکم﴾(اپنی اولاد کو قتل نہ کرو)﴿ولا تقل لھما اف﴾(والدین کو اُف بھی نہ کہیں) لیکن فحاشی کی روک تھام کے لیے وہ مختلف اسلوب اختیار کرتا ہے: ﴿وَلا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ﴾[الانعام٦: ١٥١] (فحاشیوں کے قریب بھی نہ پھٹکو، خواہ ظاہری ہو یا پوشیدہ )

زنا کو بھی قرآن کریم نے فحاشی قرار دیا ہے، اس کے لیے بھی یہی انداز اختیار کیا ہے: ﴿وَلا تَقْرَبُوا الزِّنَا إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلا﴾[الاسراء ١٧: ٣٢](زنا کے قریب بھی نہ پھٹکو، اس لیے کہ یہ بےحیائی ہے اور بہت بُرا راستہ ہے)۔

اس انداز بیان کی وجہ سے نہ صرف زنا اور فحاشی حرام قرار پائے بلکہ وہ تمام حرکتیں بھی ممنوع قرار پائیں جو فحاشی اور بےحیائی پر آمادہ کرتی ہیں، گویا ان تمام ذرائع اور وسائل کی روک تھام کرنا ضروری ہے جو بالآخر بےحیائی کی طرف لے جانے والی ہوں۔ اسی سے فقہا نے سد الذرائع کا اصول اخذ کیا ہے۔

ہمارے فقہا نے فحاشی کی روک تھام کے لیے تفصیلی قوانین وضع کیے ہیں۔ اسلامی معاشرہ میں ان قوانین پر عمل بھی ہوتا رہا ہے۔ لیکن موجودہ دور میں فحاشی اور بےحیائی کے ایسے ایسے ذرائع وجود میں آگئے ہیں جن کی وجہ سے یہ برائی تیزی سے پھیل رہی ہے۔ آج ہر بچے اور ہر جوان مرد و عورت کے پاس اسمارٹ فون موجود ہے جو اس دور میں فحاشی کی اشاعت کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، اس میں کیا کچھ ہے اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں، لیکن افسوس ناک بات یہ ہے کہ اچھے خاندانوں اور گھرانوں کے بچوں میں بھی اسمارٹ کا رواج بڑھ رہا ہے اور انٹرنیٹ کی سہولتوں نے وہ سب کچھ ہماری جیبوں میں ڈال دیا جس کا ایک عشرہ قبل ہم تصور بھی نہیں کرسکتے تھے۔ ابلا تقربوا الفواحش کا مطالبہ تو یہ ہے کہ ہم اس فحاشی کو روک دیں، یہ تو شاید ممکن نہیں کہ ہم اسمارٹ فون پر پابندی لگا دیں یا نیٹ کو بالکل بند کردیں، ہاں ہم یہ ضرور کرسکتے ہیں کہ ایسے تمام فحش پروگرام اور تصاویر کو بند کردیں، اس کے لیے ہمیں ایسی ٹیکنالوجی کو دریافت کرنا اور اس میں مہارت اور کمال حاصل کرنا ہوگا جو فحاشی کے ذرائع بند کرسکے اور ہم اس قابل ہوجائیں کہ ہم ہر ایسے بےہودہ اور فحش پروگرام کو روک سکیں جس کی وجہ سے ہماری نئی نسل میں فحاشی کی طرف رجحان بڑھ رہا ہے۔ اس مقصد کے لیے اس فن و علم میں بحث و تحقیق کے ذریعہ ایسی ٹیکنالوجی دریافت کرنے کی ضرورت ہے جو غیر پسندیدہ پروگراموں کو نہ صرف بلاک کردے بلکہ انہیں محو کرکے رکھ دے۔

ہوسکتا ہے کہ کسی کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہو کہ اس قسم کے فنی علم کا دین و شریعت سے کیا تعلق، اور یہ کہ اس صورت میں اجتہاد کا کیا عمل دخل ہے۔ فحاشی کے بارے میں ہماری مندرجہ بالا بحث میں ہی اس کا جواب موجود ہے۔ احادیث نبوی کے مطابق حیا ایمان کا ایک اہم شعبہ ہے۔ سوشل میڈیا کے ذریعہ ایمان کے ایک شعبہ کو منہدم کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں، فحاشی کی روک

تھام  دراصل دین کے تحفظ کے لیے ہے۔ تحفظ دین کو فقہا نے مقاصد شریعہ میں شمار کیا ہے۔ لہٰذا مقاصد شریعہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایسی ٹیکنیک دریافت کرنا جس کے ذریعہ فحاشی کو ابتدائی اسٹیج پر ہی ختم کیا جاسکے، یقیناً اجتہاد ہی ہے جو باعث اجر و ثواب ہے۔ مقاصد شریعہ کے دائرہ میں اجتہادی کاوشیں متقدمین کے ہاں بھی ملتی ہیں اور معاصر فقہا کا رجحان بھی مقاصدی اجتہاد کی طرف بڑھ رہا ہے۔

# المراجع


[i]۔ اس آیت مبارکہ میں ان آیات الٰہی، جو اس کائنات میں ہر طرف بکھری ہوئی نظر آتی ہیں، کی کیفیت کو سمجھنے کی ضرورت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

[ii]۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب من یرد اللہ بہ خیرا،( مکتبہ العلم بیروت،)حدیث نمبر ۷۱

[iii]۔ محمد میاں صدیقی، ائمہ اربعہ کے اصولِ اجتہاد، المصباح لاہور ۲۰۱۲ء ،ص۹

[iv]۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب الاغتباط فی العلم والحکمہ، حدیث نمبر ۷۳

[v]۔ ابو داؤد، السنن، کتاب العلم، باب فضل نشر العلم، حدیث نمبر ۳۶۶۰

[vi]۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب المناقب، باب مناقب ابن عباسؓ

[vii]۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب فضل من علم وعلّم، حدیث نمبر ۷۹؛ المسلم، الجامع الصحیح، کتاب الفضائل، باب بیان مثل ما بعث النبی من الھدی والعلم، حدیث نمبر ۲۲۸۲

[viii]۔ ابن قیم، اعلام الموقعین ۱: ۸۷ (دارالفکر، بیروت۔ ت ن)

[ix]۔ صدر الشریعۃ، عبید اللہ ابن مسعود، التوضیح فی حل غوامض التنقیح ۱۔ ۱۶ (مکتبہ صبیح، قاہرہ)؛ محمد میاں صدیقی، ائمہ اربعہ کے اصولِ اجتہاد، ص ۵

[x]۔ سیوطی، جلال الدین عبدالرحمن بن ابوبکر، الاقتراخ فی اصول النحو ۱: ۱۷، (دمشق، دارالقلم ، ۱۹۸۹ء)

[xi]۔ مجاہدہ کے مفہوم میں ہر قسم کی جدوجہد شامل ہے، خواہ فکری و نظری ہو یا جسمانی محنت ہو یا پھر روحانی۔ احسن کی تلاش کبھی مجاہدہ صورت اختیار کرتی ہے کبھی اجتہاد کی۔

[xii]۔ : ابن حزم، الاحکام (المنیریہ، قاہرہ ۱۳۴۸ھ) ۸: ۱۳۳؛ شیرازی، اللمع فی اصول الفقہ (دار ابن کثیر، بیروت ۱۹۹۵ء) ص ۲۵۸؛ الآمدی، الاحکام ۲: ۳۹۶؛ الشاطبی، الموافقات ۴: ۸۹

[xiii]۔ قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کے فضل کی تلاش کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ کسب سیئات کو ممنوع قرار دے کر کسب طیبات کی طرف راغب کرتا ہے۔ دیکھیے: الاسراء ۱۷: ۱۲، ۶۶؛ القصص ۲۸: ۷۳؛ الجمعہ ۶۲: ۱۰؛ البقرہ ۲: ۲۶۷، ۲۸۶؛ یونس ۱۰: ۲۷

[xiv]۔ رسول اللہ کی اجتہاد بصیرت کا مشاہدہ آپ کے اصولِ منصوبہ بندی میں بھی کیا جاسکتا ہے، دیکھیے: فاروقی، اسوۂ حسنہ، چند دستوری و انتظامی پہلوؤں کا جائزہ، باب سوم منصوبہ بندی

[xv]۔ مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الفضائل، باب وجوب امتثال ما قالہ شرعا (حدیث نمبر ۶۱۲۶، ۶۱۲۷)

[xvi]۔ : فاروقی، محمد یوسف، **اجتہاد: مناہج و اسالیب** (شریعہ اکیڈمی، اسلام آباد ۲۰۰۹ء) ص ۱۳، ۱۴

[xvii]۔ ابو داؤد، السنن، کتاب القضاء، باب فی القاضی یخطئی

[xviii]۔ابن قیم، اعلام المؤقعین ۱: ۸۶

[xix]۔ ایک خاتون نے رسول اللہ سے مسئلہ پوچھا کہ میرے والد بڑھاپے اور ضعف کی وجہ سے حج کا سفر نہیں کرسکتے لیکن حج ان پر فرض ہوچکا ہے، کیا میں ان کی جانب سے حج کرلوں؟ آپ نے فرمایا ہاں، کیوں نہیں، اگر ان کے ذمہ قرض ہو تا اور تم ان کی جانب سے ادا کرتیں تو کیا قرض ادا نہ ہوجاتا! جب انسانوں کا قرض ادا ہوجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا قرض بطور اولیٰ ادا ہوجائے گا۔ (الشوکانی، محمد بن علی، ارشاد الفحول ۲: ۱۰۰ (دارالکتاب العربی، بیروت ۲۰۰۰ء) مسلم، الجامع، کتاب الحج، باب الحج عن العاجز۔ السرخسی، ابوبکربن محمد، تحقیق ابو الوفاء افغانی، اصول السرخسی ۲: ۱۳۰ (دارالمعارف النعمانیہ، لاہور ۱۹۸۱ء)

[xx]۔ دیکھیے: الحشر ۵۹: ۷؛ ابو یوسف، کتاب الخراج، ص ۲۶- 29 (مکتبہ سلفیہ، قاہرہ ۱۹۷۶)

[xxi]۔ اس تفصیل سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضرت عمرؓ کی رائے میں اجتہاد کا مفہوم کیا تھا، مزید وضاحت کے لیے دیکھیے: ابو یوسف، کتاب الخراج، ص ٢٦؛ ابو عبید، کتاب الاموال، ص ۵۹؛ ابن قیم، زاد المعاد ۲: ۱۹۳؛ فاروقی، محمد یوسف، *Development of Usul al-Fiqh*، ص ۴۱- ۴۲

[xxii]۔ مناظر احسن گیلانی، **مقدمہ تدوین فقہ**، ص ۳۰ (مکتبہ رشیدیہ، لاہور ۱۹۷۶ء) بحوالہ عقبات ص ۱۷۲

[xxiii]۔الماوردی، ادب القاضی ۱: ۴۹۰ (مطبوعہ الارشاد، بغداد ۱۸۴۱)

[xxiv] الشوکانی، محمد بن علی، ارشاد الفحول ۲: ۲۰۶ (دارالکتاب العربی، بیروت ۲۰۰۰ء)

[xxv] استفراغ الوسع فی طلب الظن بشئ من الأحکام، الشرعیۃ علی وجہ یحس من النفس العجز عن المزید فیہ، الآمدی، علی بن محمد، الاحکام في اصول الاحکام ۴: ۱۶۲؛ بذل الوسع فی نیل حکم شرعی عملی بطریق الاستنباط، الشوکانی، ارشاد الفحول ۲: ۲۰۵

[xxvi] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ۲: ۲۴۲ (مصطفی البابی الحلبی، قاہرہ، ۱۹۳٦ء)؛ ابن کثیر، السیرۃ النبویہ۱: ۴۵۲- ۴۵۳، غزوہ احزاب کے موقعہ پر خندق کے ذریعہ دفاعی حصار کے لیے ۱: ٦۳۰؛ شبلی و سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبی ۱: ۲۰۴، ۲٦۰

[xxvii] الکتانی، عبدالحی، التراتیب الاداریہ۱: ۳۴٦- ۳۴۴ (حسن جعنا، بیروت، ت ن)

[xxviii] الکتانی، التراتیب ۱: ۳۴۳- ۳۴۵

[xxix] ابن قیم، زاد المعاد، ص ٦۱۴- ٦۱۸ (دار الکتاب العربی، بیروت ۲۰۰۵ء)

[xxx] خفیہ ایجنسیوں کی تباہ کاریوں کا تذکرہ ہو تو سب سے زیادہ نمایاں نام امریکن CIA کا آتا ہے۔جان پرکنز کی کتاب *The Secret History of the American Empire* بہت سے پس پردہ حقائق کو اجاگر کرتی ہے۔

[xxxi] مسلم، الجامع الصحیح، کتاب القدر، باب الایمان بالقدر، حدیث نمبر ٦۴۴۴

[xxxii] آپ دعا مانگا کرتے تھے، اللہم انی اعوذبک من العجز والکسل والجبن؛ اللہم انی اعوذبک من الہم والحزن والعجز والکسل، وغیرہ دیکھیے: محمد بن محمد الجزری، الحصن الحصین، ص526- 527 (ادارہ اسلامیات، لاہور ۱۹۹۱ء)

[xxxiii] سورہ مومنون آیات ۱۴ سے ۲۲ تک غور سے پڑھیے

[xxxiv] : البقرۃ ۲: ۱٦۴؛ الرعد ۱۳: ۱۴؛ النحل ۱٦: ۵؛ الحدید ۵۴: ۲۵